ہمارے دینی مدارس

دین کے قلعے اور علوم دین کے سرچشمے ہیں

از

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب

نوّر اللہ مرقدہ

www.alhaqqania.org

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

ہمارے دینی مدارس

دین کے قلعے اور علوم دین کے سرچشمے ہیں

اہمیت مدارس

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان بنگلہ دیش اور بھارت کے طول وعرض میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے دینی مکاتب ومدارس کا موجودہ نظام ہماری دینی وملی ضروریات کے لیے بہت ہی ضرورت اور اہمیت کا حامل ہے، اس نظام کے ذریعہ لاکھوں مسجدوں اور ہزاروں مدارس میں مسلمانوں کو عمومی اور خصوصی دینی فوائد حاصل ہورہے ہیں اور کئی ہزار ائمہ اور اساتذہ تبلیغی اور تدریسی خدمات انجام دینے میں مشغول ہیں۔ یہ نہ تو سرکاری سرپرستی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں اور نہ ہی کسی امیر وکبیر شخصیت پر ان کا تکیہ ہوتا ہے بلکہ عام طور پر ان مدارس کا نظام عمومی چندوں اور مخیّر حضرات کے تعاون سے چل رہا ہے اور اس کا اصل سرمایہ توکل علی اللہ ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ طلباء کی اتنی بڑی تعداد میں زیادہ تر طلباء مدارس میں اقامت پذیر ہوتے ہیں اور ان کے طعام وقیام وغیرہ کی ضروریات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے مگر نہ طلباء سے کسی فیس کے لینے کا تصور ہوتا ہے اور نہ کھانے

اور رہائشی بل وصول کرنے کا۔

مسلم قوم پر بزرگان دین کا احسان

قوم بحیثیت قوم مسلم ان علماء اور بزرگان دین کے زیر احسان ہے، جن اللہ کے نیک بندوں نے دینی خدمات کی خاطر اس نظام تعلیم کی بنیاد رکھی اور بسا اوقات خود بھوکوں رہ کر اور فاقہ کاٹ کر اسے پروان چڑھایا اور آج کل نا مساعد ہی نہیں بلکہ مخالف حالات میں بھی اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر اس نظام کو باقی رکھا۔ اور آج بھی مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت کی خاطر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اس نظام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ یہ مدارس دینی مقاصد کی تحصیل وتکمیل میں بلا خوف لومۃ لائم مشغول ہیں۔

دینی مدارس کے نصاب تعلیم کا مقصد

دینی مدارس کے اس نصاب تعلیم کا اصل مقصد علوم قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کا تحفظ اور ان کی اشاعت ہے، ان مدارس میں طلباء کو اس لیے پڑھایا جاتا ہے کہ یہ علوم اسلامی محفوظ رہیں اور قرآنی مکاتب آباد رہیں اور مسلمانوں کو نمازیں اور قرآن کریم پڑھانے والے ائمہ اور اساتذہ ملتے رہیں یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس میں انگریزی تعلیم کو رواج نہیں دیا گیا، ورنہ انگریزی زبان دوسری زبانوں کی طرح ایک زبان ہے، اس کا سیکھنا سکھلانا فی نفسہ ممنوع نہیں ہے لیکن عام طور پر انگریزی تعلیم حاصل کرکے سرکاری ملازمت کو ترجیح دیتے ہیں اور دینی

مدارس سے فارغ ہوکر اسی طرف چلے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے دینی مدارس کے قیام کا مقصد فوت ہوجاتا ہے کیونکہ دینی نصاب تعلیم کا اصل مقصد تو دینی تعلیم کے ذریعہ علوم دینیہ کا تحفظ اور ان کی تبلیغ و اشاعت ہے ،بحمداللہ ان مدارس سے فارغ التحصیل حضرات برصغیر کے طول وعرض میں دینی مدارس و مکاتب کے قیام کے فرض کی انجام دہی میں ہمہ تن مشغول رہے اور سرکاری ملازمتوں اور آسائیوں کی زندگیوں پر فقر و فاقہ اور تنگی اور عسرت کی زندگیوں کو ترجیح دی اور بقدر قوت لایموت مشاہرات پر قناعت کی اور معاشرہ میں قرآن و حدیث کی تعلیم اور اسلامی عقائد و معاشرت کو برقرار رکھا، ورنہ عالم اسلام ایک قصہ پارینہ بن چکا ہوتا ،صدقہ و خیرات، گھر گھر سے مانگی ہوئی روٹیوں اور عام لوگوں کے چندوں کی بنیاد پر قائم ہونے والا دینی مدارس کا یہ نظام برطانوی استعمار کی نظریاتی ،فکری اور تہذیبی یلغاروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط حصار ثابت ہوا اور اس نظام نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے مسلمانوں کے عقائد و افکار معاشرت اور اسلامی علوم و فنون کی حفاظت کی بلکہ تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے لیے نظریاتی رہنماؤں اور کارکنوں کی جماعت بھی تیار کی جس میں حضرت مولانا محمود حسن ،مولانا حسین احمد مدنی ،مولانا شبیر احمد عثمانی ،مولانا ظفر احمد عثمانی ،مفتی محمد شفیع دیوبندی ،مولانا عبدالحامد بدایونی ،مولانا داؤد غزنوی وغیرہ اور ان کے ہزاروں رفقاء کار بطور خاص قابل ذکر ہیں ۔

اگر یہ دینی مدارس نہ ہوتے!

اگر یہ دینی مدارس اور مساجد کا نظام نہ ہوتا تو عالم اسباب میں اسپین کی طرح برصغیر پاک وہند میں بھی نعوذ باللہ اسلام اور اسلامی اقدار ایک قصہ پارینہ بن چکا ہوتا اور جس طرح دوقومی نظریہ پر تحریک پاکستان چلی اور پروان چڑھی اس کا نام ونشان بھی نہ ملتا۔ خداداد سلطنت پاکستان کی بنیاد اسی دینی مدارس کے نظام تعلیم نے ہی مہیا کی ہے اور اب بھی اسی دوقومی نظریہ پر یہ دولت پاکستان قائم ہے، اس نظام کو بدلنا دوقومی نظریہ اور پاکستان کی بنیاد کے مٹانے کی کوشش کرنے کے مترادف ہے۔

مدارس کے بارہ میں علامہ اقبال مرحوم کی رائے

جن لوگوں کو انگریزوں کی تعلیم وتہذیب سے بطور وراثت کے حصہ ملا ہے اور انگریزوں کی تعلیم اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں وہ اس دینی نظام تعلیم اور دینی مدارس کی ضرورت وافادیت کو سمجھ نہیں سکے اگر وہ اپنے پیشوا اور مفکر پاکستان کے درج ذیل قول کو ہی غور وفکر سے ملاحظہ فرما لیتے تو ان مدارس کی ضرورت وافادیت ان کی سمجھ میں آجاتی، علامہ اقبال لکھتے ہیں:

''ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے

اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء اور باب الاخوین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیرووں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''(دارالعلوم دیوبند نمبر ۹۴ء)

فضلاء مدارس دینیہ

ہمارے دینی نظام تعلیم نے نہ یہ کہ ایسے رجال کار پیدا کیے ہیں جو ملک بھر میں پھیلی ہوئی مساجد اور مدارس کی ضروریات پوری کر رہے ہیں (نوائے وقت ۹/ مارچ ۱۹۹۵ء) بلکہ زبردست ماہر علوم اسلامی اور قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے معیاری علماء فقہاء تیار کیے اور علوم اسلام کے ایسے محقق تیار کیے ہیں جن کی کتابوں اور تحقیقات کو دیکھ کر علماء عرب و مصر حیرت زدہ اور ششدر رہ گئے ہیں مگر ہمارے بعض پروفیسر صاحبان اس کو ان کی قدر افزائی اور اپنے ملک کی عزت افزائی سمجھنے کی بجائے اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ان دینی مدارس کی خدمات کو صرف مساجد کی امامت اور مدارس کی تدریس کے محدود پیمانہ سے ہی ناپنا چاہتے ہیں اور ان کا مبلغ علم اسی طرز سے پرکھنا چاہتے ہیں، دینی مدارس کی خدمات سے اس درجہ ناواقفیت صاحبان علم کے لیے کچھ اچھا تاثر پیدا نہیں کرتی،

اس سے بڑھ کر بڑی ہی حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ صاحبان ان مدارس کے فارغ التحصیل علماء پر عربی میں بولنے اور لکھنے پر قدرت نہ ہونے کا طعنہ دیتے نہیں تھکتے اس کے جواب میں اس کے سوا کیا عرض کیا جائے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمہ آفتاب را چہ گناہ

دینی مدارس کے ان حضرات علماء کی عربی تصانیف کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اس کے لیے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔

مدارس دینیہ کا فیض

فرض کیجئے اگر معاشرہ میں علماء کرام کی پزیرائی نہیں ہوئی اور عوام اپنی جہالت وناواقفیت یا دوسرے اقتصادی اسباب کی بناپر اعلیٰ علمی قابلیت رکھنے والے اہل علم کی بجائے برائے نام تعلیم یافتہ، یا متوسط تعلیم یافتہ حضرات سے کام چلا رہے ہیں تو یہ سوچنے کی بات ہے کہ یہ صورت حال کسی کے لیے قابل ستائش نہیں (نوائے وقت)

یہ تو عوام کے اپنے انتخاب کی کوتاہی ہے، اس کا یہ مطلب سمجھ لینا کہ ملک میں صرف ۲۰ رفیصد ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں کسی بڑے ہی تعلیم یافتہ کے سمجھنے کی بات ہے، اگر لوگ اعلیٰ تعلیم یافتوں سے کام نہ لیں یا کام نہ کرسکیں تو اس کا یہ مطلب کیسے سمجھ لیا گیا کہ ملک میں اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ۲۰ فیصد ہی ہیں۔

پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ یہ اعلیٰ اور متوسط اور برائے نام تعلیم

یافتہ جو بھی ہیں سب کے سب انہی دینی مدارس کا فیض ہے جن سے اس ناقص برائے نام سروے کے مطابق جو جنرل ضیاء الحق کے زمانہ میں ہوا 80 ہزار مساجد و مدارس آباد ہیں، یہ کسی یونیورسٹی اور کالج کے فاضل نہیں جن پر قومی خزانہ سے اربوں روپے خرچ ہوتے ہیں، پھر ان کے نتائج امتحان پر غور کرلیا جائے کہ کس قدر معیاری آتے ہیں وہ کس قدر قابل ستائش ہیں اور سرکاری ملازمین سفارش و رشوت سے اس معیاری قابلیت کے بھرتی ہوتے ہیں اور اعلیٰ قابلیت کے ریڑھی لگانے پر مجبور ہو رہے ہیں؟

پھر ہر شخص اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق سعی و کوشش کا مکلف ہے، قرآن کریم میں ہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا ہر شخص کو اپنی وسعت کے موافق مکلّف کیا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ ساڑھے نو سو سال تعلیم و تبلیغ کے نتیجہ میں وما آمن معہ الا قلیل ان کے ساتھ صرف قلیل ہی ایمان لائے تھے۔

نصاب تعلیم پر بے جا اعتراض

دینی مدارس پر اعتراض ہے کہ قرآنی تعلیم کو اس کا اصل مقام نہیں دیا گیا معترض ماشاءاللہ خود تو ماہر علوم قرآنی ہیں مگر ان کی نظر اس پر نہیں گئی کہ نتیجہ اسباب پر موقوف نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان علیك الا البلاغ آپ پر صرف ابلاغ ہے فرما کر تسلی دی گئی ہے۔ بس ہر شخص اس کا مکلف ہے کہ اپنی

استطاعت کے موافق ابلاغ میں کوتاہی نہ کرے نتیجہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، بندہ اس کا مکلّف نہیں ہے نہ جواب دہ ہے۔

یہ کتنی خلاف حقیقت بات لکھ دی کہ اس دینی نصاب میں قرآن تعلیم کو اس کا اصل مقام نہیں دیا گیا (نوائے وقت) اصل میں یہ غلط بات سنی سنائی معلومات پر لکھ دی گئی ورنہ قرآن کریم کے لفظی تعلیم و معنی و مطلب سمجھنے پر جتنی اہمیت اس نصاب میں دی گئی ہے اتنی کسی بھی دوسرے مضمون پر نہیں دی گئی اور بلاشبہ یہ مضمون اس قدر توجہ کا حق دار بھی ہے۔

دینی مدارس کا طریقہ تدریس اور ماہرین تعلیم کا تجربہ

پہلے قرآن کریم کے الفاظ کی تصحیح کرائی جاتی ہے اور تین چار سال میں اس کو حفظ کرایا جاتا ہے کیونکہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے اس وقت ہمہ تن اس کے حروف کے ادا کرنے اور محفوظ و یاد کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے اس کے ترجمہ کی طرف توجہ نہیں دی جاتی کہ ایک وقت میں ایسے دو کام جن میں پوری توجہ کی ضرورت ہے اعلیٰ طریقے سے انجام نہیں پاسکتے، اور بچہ کے ذہن و دماغ پر لفظوں کے یاد کرنے اور معنی کے سمجھنے کا بیک وقت بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔

ماہرین تعلیم کے تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ پانچ چھ سال کے بچے کے دماغ میں ابھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ ترجمہ کو بھی صرف لفظوں کی طرح زبانی ہی یاد کرے گا اس لیے عقلی و طبعی ترتیب یہی ہے کہ پہلے بچے کو الفاظ یاد

کرائے جائیں اس کے بعد ترجمہ پڑھایا جائے۔ چنانچہ ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں قرآن کریم کو ناظرہ یا حفظ تعلیم کے بعد کچھ صرف ونحو اور قواعد عربیت پڑھا کر ترجمہ قرآن پڑھانا شروع کیا جاتا ہے تا کہ اس کو معلوم ہو کہ ''یعلمون'' کا ترجمہ وہ جانتے ہیں اور ''یعملون'' کا ترجمہ وہ عمل کرتے ہیں کیوں کیا گیا ہے؟

پھر یہ لفظی ترجمہ ہر سال دس دس پارے کر کے تین سال میں پڑھایا جاتا ہے اور ہر سہ ماہی پر امتحان لیا جاتا ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ ترقی کی صورت میں تفسیر جلالین تفسیر بیضاوی پڑھائی جاتی ہے جو کہ نصاب میں داخل ہیں۔

اس اہتمام کے ساتھ ترجمہ وتفسیر پڑھانے کے انتظام کے باوجود اگر کوئی اس سے استفادہ نہ کرے تو اس میں علماء کی عدم توجہی کو مورد الزام قرار دینے کا کیا موقع ہے اور اس لکھنے کا کیا موقع ہے کہ ''ہر مسجد میں ناظرہ قرآن حکیم پڑھانے کا انتظام ہے لیکن ناظرہ پڑھا کر طالب علم کو چھوڑ دیا جاتا ہے آخر ترجمہ کیوں نہیں شروع کر دیا جاتا اس میں کیا رکاوٹ ہے سوائے اس کے کہ اس طرف ہمارے علماء کی توجہ نہیں'' (نوائے وقت ملی ایڈیشن ۹ / مارچ ۱۹۹۵ء)

سرکاری اور دینی مدارس کے دینی نظام تعلیم کا موازنہ

ناظرین غور فرمائیں کہ اس میں علماء پر بے توجہی کا الزام کس قدر خلاف حقیقت ہے کیا ناظرہ پڑھا کر طالب علم کو جبراً چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کو ترجمہ پڑھانے سے انکار کر دیا جاتا ہے؟ آخر اس میں علماء کا کیا قصور ہے؟ بلکہ یہ آپ

کے ہی نظام تعلیم کی برکت ہے کہ وہ طالب علم کو آگے ترجمہ وتفسیر کی طرف جانے نہیں دیتا، اور طلبہ کے سرپرست ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم پر ہی کفایت کرکے سرکاری مدارس میں بچوں کو داخل کرادیتے ہیں حالانکہ اس دوران ان کو اتنی اردو لکھنے پڑھنے کی شناخت ہوجاتی ہے وہ تیسری بعض چوتھی جماعت میں داخل ہوجاتے ہیں۔

یہ بھی ائمہ مساجد کا ہی فیض ہے کہ ملازمتوں کے لالچ میں طلبہ کو قرآن کریم کی لفظی تعلیم اوراس کی برکت سے مستفید ہونے کا موقع دیدیا ہے اوران کے ذریعہ رمضان المبارک اور غیر رمضان میں ہزاروں مساجد قرآن کریم کی آواز سے گونجتی ہیں ورنہ سرکاری مدارس میں مڈل تک جو قرآن کریم کی تعلیم کا حال ہے وہ پروفیسر حضرات کو خوب معلوم ہوگا کہ اکثر بے پڑھے ہی سارٹیفکیٹ جاری کردیے جاتے ہیں اور بہت سے مدارس میں سرے سے اساتذہ کا ہی تقرر نہیں ہوتا یا اساتذہ ہوں گے مگر وہ خود ہی پڑھے ہوئے نہیں ہوتے یا غلط پڑھے ہوئے ہوتے ہیں اگر کوئی صحیح پڑھانے والا بھی ہوا تو اس کے لیے وقت ہی کتنا دیا جاتا ہے اس سے ان حضرات کے دلوں میں قرآن کریم کی قدر وقیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے؟ جو دینی اور دنیوی دو متوازی نظامہائے تعلیم کو مٹا کر ایک کرنا چاہتے ہیں ان کا منشاء اس کے سوا کچھ نہیں کہ دینی تعلیم اور قرآن وسنت کی تفہیم کو ختم کرکے صرف ایک دنیوی نظام تعلیم باقی رہ جائے۔

کیاوہ قرآن کریم کا سارٹیفکیٹ قرآن کاترجمہ اورتفسیر پڑھا کردیتے ہیں اوران کے ذریعہ مساجد اور دینی مدارس کی رونق میں اضافہ ہوا ہے؟۔

جاہلیت کاپرانانظریہ

اب رہا یہ سوال کہ کیادینی مدارس کانظام اس قابل ہے کہ کوئی کھاتا پیتا پڑھالکھاشریف آدمی اپنے بچے کووہاں بھیجے؟ (نوائے وقت ۱۶/مارچ ۱۹۹۵ء)

یہی وہ پرانا جاہلیت اولیٰ کانظریہ ہے جس کوقرآن کریم نے بیان فرما کر اس کی تردید کی ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولاتعد عيناك عنهم تريدزينة الحياة الدنيا (پ۱۵)

ترجمہ: اورروکے رکھ اپنے آپ کوان کے ساتھ جوپکارتے ہیں اپنے رب کوصبح اورشام طالب ہیں اس کے منہ کے اورنہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کوچھوڑکرتلاش میں رونق زندگانی دنیا کی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیراحمد عثمانی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ف٦:یعنی اس کے دیداراورخوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دائماً عبادت میں مشغول رہتے ہیں مثلاً ذکرکرتے ہیں قرآن پڑھتے ہیں،نمازوں پرمداومت رکھتے ہیں حلال اورحرام میں تمیزکرتے

ہیں، خالق ومخلوق دونوں کے حقوق کو پہچانتے ہیں گو دنیوی حیثیت سے معزز اور مالدار نہیں۔ جیسا صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس وقت عمار، صہیب، بلال، ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے ایسے مؤمنین ومخلصین کو اپنی صحبت ومجالست سے مستفید کرتے رہیے اور کسی کے کہنے سننے پر ان کو مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے۔

ف ۷: غریب شکستہ حال مسلمین کو چھوڑ کر موٹے موٹے متکبر دنیا داروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھایئے کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہوگی، اسلام کی اصل عزت اور رونق مادی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں میں نہیں، مضبوط ایمان وتقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے، دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے، حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے نہ زوال ہے (تفسیر عثمانی ص ۳۸۴)

کفار کا مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھنے والے اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی شریف آدمی ان کے پاس بیٹھ کر تعلیم نبوی حاصل کرے اس لیے ہم شرفاء کے لیے تعلیم کے لیے علیحدہ مجلس کا انتظام ہونا چاہیے۔ جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما دیا گیا کہ آپ انہی نیک لوگوں کے ساتھ مجلس رکھیں اور بزعم خود ان شرفاء کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے۔

دوسری آیت میں ہے:

ولا تمدن عينيك الىٰ ما متعنا به ازوجا منهم زهرة الحياةالدنيا

لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى (پ ۱۶)

ترجمہ: اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی کی ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی۔

تشریح ب ت ۷: یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً یہود و نصاریٰ، مشرکین، مجوس وغیرہ کو ہم نے عیش و تنعم کے جو سامان دیے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے (اے پیغمبر) آپ کے لیے مقدر کی ہے، مثلاً قرآن کریم، منصب رسالت، فتوحات عظیمہ، رفع ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے، اور بذات خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، بہر حال آپ نہ ان کی تکذیب واعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز و سامان اور مال و دولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں (تفسیر عثمانی ص ۴۱۶)

کیونکہ ایسے لوگوں کا تو یہ دستور ہی ہے کہ ہمیشہ ایسے لوگوں نے ایسے ہی حیلے پہلے کیے۔ قوم نوح علیہ السلام نے کہا: قالوا انؤمن لك واتبعك الارذلون۔

اگر اب بھی یہ لوگ کہیں کہ دینی مدارس کا نظام اس قابل نہیں ہے کہ کوئی کھاتا پیتا پڑھا لکھا شریف آدمی اپنے بچے کو وہاں بھیجے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔

شرفاء وامراء کا دینی نظام تعلیم سے منسلک ہونا

باقی رہا یہ سوال کہ اس کام کے لیے جو مالی معاوضہ اور سہولتیں یہ نظام تعلیم دیتا ہے کیا وہ اس قابل ہے کہ لوگ اس کے لیے اپنی اولاد وقف کر دیں سوائے غریب اور مجبور لوگوں کے (نوائے وقت)

پروفیسر صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور یا اسی طرح کے دینی مدارس میں تشریف لا کر سروے فرمانے کی اگر تکلیف فرمائیں کہ ان مدارس میں کتنے اونچے گھرانوں کے شرفاء دینی تعلیم حاصل کرر ہے ہیں تو امید ہے کہ وہ اس تحریر سے رجوع کر لیں گے اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ محض اللہ کے دین کے سیکھنے اور سکھلانے کا مقصد لے کر بہت سے کھاتے پیتے گھرانوں کے شریف بچے بھی ان دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور کوئی مستقبل کا معاشی مسئلہ ان کے اس عزم کی پختگی اور پائے استقلال میں لغزش نہیں آنے دیتا، یہ مفروضہ خلاف واقعہ ہے اور کلیہ نہیں ہے گو ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ انتخاب میں غلطی کر جاتے ہیں مگر پروفیسر صاحب کے علی الرغم بہت بڑی تعداد امراء اور شرفاء کی اولاد کی بھی دینی تعلیم کے لیے وقف ہے۔

پھر اگر ان کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کی تجویز زیر غور ہو تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ ایک انتظامی معاملہ ہے خواہ مخواہ اس کو اچھال کر لوگوں کو بددل کرنے کا کیا مقصد ہے؟ آپ اپنے گریجویٹ اور فارغین کا فکر کریں وہ ملازمت کی تلاش میں سرگرداں پھر رہے ہیں اور ریڑھی لگانے پر مجبور ہو رہے ہیں دینی مدارس کے طلباء کو اپنے حال پر رہنے دیں۔

اسی طرح نصاب کا معاملہ تجربہ کار اساتذہ کی کمیٹی کے سپرد ہے وہ اس پر غور کر کے تبدیلی کی سفارش کرتی رہتی ہے اور حسب ضرورت اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے مگر پروفیسر حضرات جمع خاطر رکھیں کہ اس معاملہ میں ان حضرات کی کسی رائے کی کوئی قدر و قیمت نہیں نہ ان کے دخل در معقولات اور واویلا کرنے سے کوئی فائدہ متصور ہے، ہر فن میں رائے اس فن کے جاننے والے کی معتبر ہوتی ہے علاج معالجہ کے بارہ میں کسی ماہر وکیل کی رائے یا لاء و قانون کے معاملہ میں کسی ڈاکٹر کی رائے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اسی طرح دینی مدارس کے نصاب میں اس تعلیم کے ماہرین کی رائے کا اعتبار ہو گا اس لیے ہماری گزارش ہے:

ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

ارباب اقتدار کا وطیرہ

قیام پاکستان سے آج تک جو طبقہ اقتدار پر قابض رہا جمہوریت کا دور ہو یا مارشل لاء کا، سکندر مرزا کا دور ہو یا ایوب خان کا، بھٹو کا دور ہو یا ضیاء الحق کا،

ہمیشہ اس کی یہ کوشش رہی ہے کہ وطن عزیز کو دیندار طبقہ سے دور اور متنفر رکھا جائے ، ملک وملت کا کوئی اہم مسئلہ ان کی توجہ کا اتنا مرکز نہیں رہا جتنا علماء کرام اور دینی اداروں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا ان کا ہدف رہا ہے،مغربیت زدہ یہ طبقہ ہمیشہ کی طرح آج بھی علماء کرام کو بدنام کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کرر ہا ہے اوران کی کردارکشی کے لیے گھٹیا سے گھٹیا طریقہ سے بھی اجتناب نہیں کیا جاتا۔

آج کل جو دینی مدارس کے خلاف مہم چلار کھی ہے وہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے شاید یہ مہم جو طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ اپنی پھونکوں سے ہدایت کی روشنی کی ان شمعوں کو گل کردیں گے ہدایت کے ان میناروں کے نور بجھادیں گےاور وطن عزیز میں مکمل طور پر مغربیت کا سیاہ دور لانے میں کامیاب ہوجائیں گے ،ایسے لوگوں کا یہ خیال خام ہے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی یہ سعی اور سوچ لا حاصل ہے:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حفاظت دین کی ذمہ داری

ہمارے یہ دینی مدارس حق تعالیٰ کے کارخانہ حفظ دین کے شعبے ہیں دین کی حفاظت کا کارخانہ کسی مولوی ملا کے سپرد نہیں کہ اس کا مقابلہ کیا جا سکے، یا اس کو مٹایا جاسکے،اس کارخانہ کا نظام اس پاک ذات نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے

جس نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحا فظون کا اعلان فرمایا ان کی حفاظت کا خود ذمہ اٹھایا ہوا ہے اور نہ صرف مدارس کی حفاظت کی ذمہ داری لی بلکہ ان کے محافظین علماء کرام اور طلباء عظام اور ان کے معاونین کی بھی ذمہ داری لے لی۔

یہ دینی مدارس حفاظت دین کے قلعے اور علوم دین کے سرچشمے ہیں، یہ خود اور ان کے معاونین علماء اور طلباء قیامت تک باقی رہیں گے ان کو کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔

واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون۔

۲۴؍شوال المکرم ۱۴۱۵ھ